بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

النباء العظیم

(۱۴)

اسلام کی ابتدائی عمر کی تاریخ ملاحظہ کیجئے۔ وہاں آپ کو ملازمت (EMPLOYMENT) کا وہ تصور ہی نہیں ملے گا جو ہمارے یہاں پایا جاتا ہے۔ یعنی ملازم کی خانگی ضروریات اور اخراجات سے قطع نظر عہدہ (POST) کی ایک لگی بندھی تنخواہ ہے جو اس عہدہ پر مقرر ہونے والے شخص کو ملے گی۔ قرن اول میں ملازمت ایک قسم کا معاہدہ اس بات کا ہوتا تھا کہ ایک فریق (EMPLOYSE) کے سپرد جو خدمت کی جائے گی وہ اس کو تندہی اور ایمانداری سے انجام دے گا اور دوسرا فریق (EMPLOYER) فریق اوّل کی حسب حیثیت تمام ضرورتوں کا تکفل کرے گا

سلہ۔ عرصہ ہوا پنڈت سندر لال نے چین کے سفر سے واپسی کے بعد انگریزی میں اس ملک پر جو ضخیم کتاب لکھی تھی وہ میں نے اسی زمانہ میں از اوّل تا آخر بڑے شوق سے پڑھی تھی۔ اس میں یہ پڑھ کر بڑا تعجب ہوا تھا کہ وہاں تنخواہیں بازار میں اشیاء کے نرخ اور ملازم کی ضروریات کے اعتبار سے مقرر ہوتی ہیں۔ چنانچہ ضروریات بڑھ گئیں اور اشیاء گراں ہوگئیں تو تنخواہ بھی بڑھ گئی اور اگر یہ دونوں چیزیں گھٹ گئیں تو تنخواہ بھی گھٹ گئی۔

چنانچہ خلیفۂ وقت تک کی تنخواہ کا کوئی مقررہ گریڈ نہیں تھا۔ ہر خلیفہ اپنی ضروریات کے مطابق بیت المال سے ماہانہ رقم لیتا تھا۔ عہدِ نبوت میں اور اس کے بعد خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں عمال کی تنخواہیں مقرر ہوتی تھیں لیکن ان کی نوعیت گریڈ کی نہیں تھی بلکہ ہر عامل کو اس کو اپنی حیثیت ضرورت اور مقامی نرخ اشیاء کے حساب سے ایک معین روزینہ ملتا تھا (کتانی کی کتاب "التراتیب الاداریہ" سے تفصیلات معلوم ہوسکتی ہیں)

علاوہ ازیں ایک صحیح حدیث میں ہے: کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: سب سے بہتر ذریعہ معاش کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "الکسب بالید" یعنی ہاتھ کی کمائی۔ اس ارشاد کا اور اسلام کی عام تعلیم کا اثر یہ تھا کہ مسلمانوں نے کبھی کسی پیشہ کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اور جب تک عجمی تصوراتِ حیات نے ان کو گمراہ نہیں کر دیا ان کے نزدیک شرف ومجد کا معیار بحکم ارشادِ ربانی "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" صرف ایک یعنی عمل صالح ہی رہا۔ فرق جو کچھ تھا وہ کسبِ حلال اور کسبِ حرام کا تھا۔ کسبِ حلال کیلئے ایک انسان جو پیشہ چاہے اختیار کرلے۔ اس میں کوئی بات ننگ وعار کی نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین میں اور ان کے بعد علماء اور اصحابِ درس ونظم میں کثرت سے ایسے اصحاب ملیں گے جو سقے کا، موچی۔ خیاط۔ نداف۔ زرہ ساز۔ معمار اور مزدور (عسیف) کا کام کرتے تھے۔ ایک جمہوری اور عوامی سوسائٹی میں چھوٹا بڑا ہر پیشہ یکساں اہمیت اور حیثیت رکھتا ہے اس سوسائٹی میں جس احترام کا مستحق ایک وزیر اعظم ہے۔ ایک مزدور۔ ایک کسان اور ایک کاریگر بھی اسی احترام کا سزاوار ہے۔ چنانچہ آج خود امریکہ اور روس کو دیکھ لیجئے: وہاں محض پیشہ کی بناء پر سب امتیازات ختم ہوچکے ہیں۔

بہرحال تجارت۔ صنعت وحرفت۔ زراعت اور کسبِ معاش کے لئے کسی پیشہ کو معیوب نہ سمجھنا۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کے باعث مسلمانوں میں اقتصادی مرفہ الحالی اور ثروت پیدا ہوئی۔ بعض کوتاہ اندیش اس کا سبب اموالِ غنیمت کو بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ

غنیمت تو جنگ میں فتح یاب ہونے کے بعد ہاتھ آتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جنگ جس سازوسامان سے لڑی گئی اس کے لئے روپیہ کہاں سے آیا تھا؟ حضرت سفیانِ ثوری کا قول ہے: لوگ دولت کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ دولت ہمارے پاس نہ ہوتی تو ہم ایران اور روم جیسی طاقتور سلطنتوں کا تختہ کیوں کر الٹ سکتے تھے۔

لیکن جب خلافت کے بعد ملوکیت کا دور دورہ شروع ہوا۔ تو اگرچہ ملوکیت کے ابتدائی ادوار میں مختلف اسباب و وجوہ سے اسلام کے جمہوری اور عوامی زندگی کے آثار و علائم تھوڑے بہت کسی نہ کسی شکل میں قائم رہے اور اس بنا پر علوم و فنون۔ صنعت و حرفت اور تجارت و فلاحت میں ان کے قدم ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہے لیکن چوتھی صدی ہجری کے بعد جب مرکز (بغداد) کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں اور اس کے نتیجہ میں اِدھر اُدھر خاندانی اور شخصی حکومتیں قائم ہوگئیں تو اب مسلمانوں میں جاگیردارانہ نظامِ زندگی پیدا ہونا شروع ہوا۔ اور ان کی سوسائٹی ایک طبقاتی سوسائٹی بن گئی جس میں ایک طبقہ اونچا تھا اور دوسرا نیچا، کوئی معزز تھا اور کوئی ذلیل اور جیسا کہ اس قسم کی سوسائٹیوں میں ہوتا ہے مسلمانوں میں اب وہی لوگ معزز اور اونچے درجے کے سمجھے جاتے تھے جو حکومت میں کوئی عہدہ یا منصب و مقام رکھتے تھے۔ ان کے برخلاف جو لوگ تجارت پیشہ، ہنرور۔ یا صنعت کار تھے ان کو ایسا کچھ عزت کی نگاہ سے .... نہیں دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں جو لٹریچر پیدا ہوا وہ اسی طبقاتیت کا آئینہ دار ہے اور حد یہ ہے کہ یہ طبقاتیت فقہ کی اونچے درجوں کی کتابوں میں بھی اس درجہ راہ پا گئی کہ نکاح میں کفو کی بحثیں پیدا ہوئیں اور اس سلسلہ میں معین طور پر یہ بتایا گیا کہ کس پیشہ کا مرد کس پیشہ کی عورت کا ہم کفو ہو سکتا ہے۔ ان غیر اسلامی تصورات و تخیلات کے ساتھ مسلمان ہندوستان پہنچے تو یہاں ہندو سماج ذات پات کی لعنت میں پہلے سے گرفتار تھا ہی۔ اس کے ساتھ اختلاط و ارتباط نے مسلمانوں میں طبقاتیت کے رنگ کو اور گہرا کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو تو چار ذاتوں میں تقسیم تھے مسلمانوں میں ذاتوں اور گوتوں کا کوئی حساب ہی نہیں رہا

ہر پیشہ ایک مستقل گوت بن گیا۔

یہاں ہمیں جس چیز سے سروکار ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال اور انحطاط کے جو اسباب ہیں ان میں ایک بڑا اور اہم سبب نظام جاگیرداری (FEUDALISM) ہے۔ جس کے باعث وہ تجارت اور صنعت و حرفت میں پسماندہ ہو گئے یورپ میں طبقاتی اور سماجی علوم و فنون کا جو آفتاب طلوع ہو رہا تھا اس کی کرنیں ان تک نہیں پہنچ سکیں اور انقلاب فرانس کے بعد وہاں جمہوری اور عوامی زندگی کا جو دور دورہ شروع ہو رہا تھا اس کی سن گن تک ان کو نہ ملی اور جیسا کہ جاگیرداری نظام کا خاصہ ہے ایک طبقہ جو حکومت کے عہدہ داروں اور منصب داروں کا تھا۔ دولت و ثروت اس میں محدود ہو کر رہ گئی اور عوام غربت و افلاس کا شکار بن گئے۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمانوں میں کیسی کیسی عظیم تحریکیں پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن نہایت حسرت اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے بزرگان ملت نے ـــ سید احمد شہید سے لیکر مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی تک ـــ کبھی مسلمانوں کے اسبابِ زوال کا جائزہ دیدہ وری اور وسعت نظر کے ساتھ لے کر ان کے عملی تدارک کا سروسامان نہیں کیا اور اس حقیقت پر غور کرنے کی کبھی زحمت کبھی گوارہ نہیں فرمائی کہ قومیں صرف وعظ و تذکیر۔ اور روحانی ارشاد و ہدایت کے سہارے ترقی نہیں کرتیں اور نہ محض ملک کے آزاد ہو جانے سے کوئی قوم حضیضِ پستی سے نکل کر یک بیک بام عروج و ترقی پر پہنچ سکتی ہے۔ غزدات نبوی اور ارشاد خداوندی: ابتغوا من فضل اللہ" اور" اعدوا لھم ما استطعتم" اس حقیقت کے غماز نہیں تو اور کیا ہیں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اقوام و امم ماضیہ کا تذکرہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم ان سے عبرت پذیر ہوں۔ یہ عبرت پذیری جس طرح اقوام ماضیہ سے ہوتی ہے اسی طرح اقوام و امم حاضرہ سے بھی ہو سکتی اور ہوتی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہمارے مصلحین امت اور زعمائے اسلام کے پیش نظر رہتی تو انہیں آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہئے تھا کہ صرف

علوم وفنون صنعت وحرفت اور تجارت سے حاصل کی ہوئی طاقت تھی جس نے سات سمندر پار کی ایک اجنبی قوم (انگریز) کو ہندوستان اور افریقہ کے بہت سے ملکوں پر قابض کر دیا تھا۔ اس طرح غور کرنا چاہئے تھا کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس کے باعث ایک ملک سے دوسرے ملک میں ٹھوکر کھائی ہوئی قوم (یہود) آج دنیا کی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ان کی چھوٹی سی نوزائیدہ ریاست نے بڑی بڑی ریاستوں کے چھکے چھڑا رکھے ہیں ؟ اگر اسباب کا تحلیلی اور تجزیاتی جائزہ لیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ اس صورتِ حال کا اصل راز علوم وفنون اور صنعت وحرفت اور تجارت میں ان کی غیر معمولی ترقی اور عروج کے سوا کچھ اور نہیں! بے غیرتی کی انتہا ہے کہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل کی جنگ کے بعد ہم نے بعض مولوی صاحبان کو اسرائیل کی خدا پرستی اور اخلاقی برتری کا ڈھنڈورا پیٹتے بھی سنا ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ عیاشی اور فحاشی اور اخلاقی زبوں حالی میں یہ قوم اپنے پیر ومرشد امریکہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

خدا قبر ٹھنڈی رکھے سرسید احمد خاں کی۔ قدرت نے ان کو طبیعت متجسس دی تھی اور اور دماغ متفحص! ۱۸۵۷ء میں جو عجیب وغریب انقلاب پیدا ہوگیا تھا وہ اس کا راز ...... اور اسکے اصل اسباب کا کھوج لگانے کی غرض سے انگلینڈ پہنچے اور آخر انھوں نے معلوم کر لیا کہ اس کا بھید علوم وفنون جدیدہ ہیں۔ چنانچہ یہاں واپس آکر انھوں نے جو کچھ کیا ایک عالم اس سے واقف ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد یہاں مسلمانوں کو جو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی ہے اور بالکل تباہ و برباد ہو جانے کے بعد انکو از سرِ نو جو زندگی اور توانائی ملی ہے اس کا سببِ غالب سرسید کی بے پناہ جد وجہد عظیم ایثار و قربانی اور سعیِ مسلسل ہے۔ اس بنا پر وہ برصغیرِ ہند وپاک کے مسلمانوں کے بڑے محسن ہیں اور تاریخ میں ان کا مرتبہ ومقام یقیناً بلند ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ جس نظام جاگیرداری کی آغوش میں سرسید نے تربیت پائی تھی کچھ اس کا اور کچھ انگریزی تہذیب وتمدن اور انگریزی حکومت سے غیر معمولی مرعوبیت کا اثر یہ تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کی با عزت زندگی کو حکومت